فرعون کے غرق ہونے کی وضاحت

اللہ کے بندوں پر شیطان کو کوئی تسلط حاصل نہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲؍جولائی ۱۹۹۱ء بمقام مسجد فضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

گزشتہ جمعہ میں میں نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کی تفسیر کے دوران اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ گروہ کی بعض دعائیں نمونۃً آپ کے سامنے رکھی تھیں وہی مضمون آج بھی جاری رہے گا۔لیکن دوسری آیت جو گزشتہ تسلسل میں پیش کرنی تھی اس سے پہلے میں فرعون کے غرق ہونے سے متعلق کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں۔میں نے یہ استنباط کیا تھا کہ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا کہ جب فرعون غرق ہونے کے قریب پہنچا تو اس نے ایک دعا کی اور اس دعا کے نتیجے میں ہم نے اس کو یہ جواب دیا کہ: آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:۹۲) اب تو دعا کا وقت نہیں رہا کیونکہ اس سے پہلے تو مسلسل نافرمانی کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ (یونس:۹۳) لیکن آج کے دن ہم تیرے بدن کو ضرور نجات دے دیں گے لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً تاکہ وہ جو تیرے بعد آنے والے ہیں ان کے لئے تو عبرت کا نشان بن جائے۔

اس بحث میں میں نے یہ امکان پیش نظر رکھا تھا اور میں اب بھی یہی یقین رکھتا ہوں کہ بدن کی نجات کا جو وعدہ فرعون کو دیا گیا تھا اس سے مراد محض لاش کی نجات نہیں کیونکہ لاشیں تو بہتوں کی

کنارے پر پہنچ گئی ہونگی بہت سے ایسے ہیں بلکہ اکثر فرعون وہی ہیں جن کی لاشیں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دی گئی تھیں تو خصوصیت کے ساتھ اس فرعون کی دعا کے نتیجے میں جب بدن کی نجات کا ذکر ہے تو اس سے میں نے یہ استنباط کیا کہ ایسی زندگی مراد ہے جو روح سے عاری ہو جیسے انگریزی میں Zombie کہا جاتا ہے بعض ایسے لاش نما انسان ہوتے ہیں جن کی زندگی روحانیت سے کلیۃً عاری اور روح سے عاری ہوتی ہے انگریزی میں لفظ Zombie تو ظاہری روح کے بغیر زندگی کا تصور پیش کرتا ہے لیکن نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ میں جو مضمون ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تجھے زندگی تو دے دیں گے مگر نجات نہیں دیں گے اور روحانیت سے عاری زندگی ہوگی۔

اس ضمن میں باقی آیات جن میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ہے کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ سوائے ایک موقع کے ہر دوسری جگہ بنو اسرائیل کو نجات دینے اور ان کی پیروی کرنے والے ان کے پیچھے آنے والے فرعون کے لشکر کے غرق کا ذکر ہے لیکن ایک جگہ خود فرعون کے غرق کا بھی ذکر ہے ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس موقع کے ساتھ اس مضمون کا کہیں تضاد تو نہیں جو میں بیان کر رہا ہوں ۔سورۃ بقرہ میں ہے کہ:۔ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (بقرہ:۵۱) یعنی ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر سورہ انفال میں بھی وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ کا ذکر ہے پھر سورۃ الشعراء میں۔ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۷﴾ (الشعراء:۶۶:۶۷) ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا کا ذکر فرمایا۔اسی طرح الشعراء، الزخرف میں یہی مضمون ہے مختلف جگہ جہاں بھی فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ملتا ہے سوائے ایک سورۃ الاسراء کے باقی جگہ صرف فرعون کے ساتھیوں یا فرعون کی قوم کے غرق کا ذکر ہے۔سورۃ الاسراء میں یہ ذکر ہے فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا (بنی اسرائیل:۱۰۴) اور ہم نے فرعون کو اور اس کے ساتھ جو بھی تھے سب کو غرق کر دیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کر دیا دوسری جگہ فرماتا ہے جب غرق قریب آیا اور اس نے دعا کی تو ہم نے اس سے بدنی نجات کا وعدہ کر لیا تو کیا ان دونوں کے درمیان تضاد ہے یا کوئی مفاہمت کی صورت ممکن ہے غرق کا لفظ جب میں نے ڈکشنری میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر جگہ جس کو ہم اردو میں ڈوبنا کہتے ہیں بالکل وہی مفہوم عربی میں غرق کا پایا جاتا ہے

کوئی شخص تیرنے کی کوشش کرتا ہو، بچنے کوشش کرتا ہو لیکن ہار جائے اور پانی کے اندر ڈوب جائے ڈوب مرنے کا معنی غرق کا میں نے کہیں نہیں دیکھا اس لئے ان دونوں میں میرے نزدیک تضاد کوئی نہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں سے بھی ایک نبی کو زندہ بچالیا تھا جہاں اس کے بچنے کے امکان ایک عام ڈوبے ہوئے آدمی کے بچنے کے مقابل پر بہت کم تھے۔ بارہا ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص ڈوب جاتا ہے اور ڈوبے ہوئے کو ایسی حالت میں نکال لیا جاتا ہے کہ ابھی اس نے دم نہیں توڑا اور پھر کوشش کر کے اس کو بچالیا جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ جہاں غرق کا لفظ استعمال فرماتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون ضرور ڈوبا ہے اور اپنے لشکر کے ساتھ ڈوبا ہے اور جہاں فرماتا ہے کہ ہم تیرے بدن کو نجات بخشیں گے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ڈوبے ہوئے کے لئے ظاہری زندگی کے بچانے کا انتظام ممکن ہے اور خدا تعالیٰ نے ایسا انتظام ضرور کیا ہوگا کیونکہ اس وعدے کا خصوصیت کے ساتھ یہاں ذکر کرنا ایک گہرا پیغام رکھتا ہے اور وہ پیغام اس وقت تو لوگوں کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا اب کی دنیا میں ہمیں سمجھ آیا جبکہ ہم نے فرعون کی لاش کو بچا ہوا اور ممی ہوئی حالت میں دیکھا لیکن جب میں نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ فرعون جس نے موسیٰ سے ٹکر لی تھی اور جس کے متعلق یہ آتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کیا وہ فرعون ۹۰ سال کی عمر میں طبعی موت مرا ہے اور اس کی ممی اور اس کے سارے کاغذات جو ساتھ ہیں اور تمام تحریریں یہ بتا رہی ہیں کہ وہ نوعمری میں غرق ہونے کی حالت میں نہیں مرا تھا بلکہ لمبی عمر پا کر اس کے بعد اس نے کئی لڑائیاں بھی کی ہیں ان لڑائیوں کے بعد ایک جگہ فلسطینیوں کے ہاتھوں بڑی بھاری شکست بھی کھانے لگا تھا جس کو بعد میں دوبارہ ایک قسم کی فتح میں تبدیل کیا گیا لیکن ایک موقع پر تو بہر حال بہت ذلت ناک شکست بھی اس نے کھائی۔

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن مجید کا ایسا ترجمہ کیا جائے گا جس کے مقابل پر تاریخی گواہی کھڑی ہو اور بجائے اس کے کہ وہ لاش عبرت کا نشان بنے **نعوذ باللہ من ذلک** قرآن کریم پر ایک شک ڈالنے کا نشان بن جائے۔ ایک یہ پہلو ہے دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی پر غور کر کے اس کی خاص طرز کلام کو سمجھتے ہوئے ایسے معنی کئے جائیں جو بجائے اس کے کہ حقائق سے متضاد دکھائی دیں۔ حقائق کو اس رنگ میں پیش کریں کہ غیر معمولی طور پر خدا تعالیٰ کی شان ان سے ظاہر ہو اور وہ لاش واقعۃً عبرت کا نشان بن جائے۔

میرا رجحان لازماً اس طرف ہے اور میرے نزدیک غرق ہونے اور غرق ہونے کے بعد بچائے جانے میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ عام انسانی تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ بارہا ڈوبے ہوؤں کو بچالیا گیا ہے۔ خاص طور پر فرعون کے اردگرد جو اس کا محافظ عملہ تھا اور خاص طور پر اس لئے کہ وہ دریائے نیل کے کنارے بسنے والے لوگ تھے اور ان میں بڑے بڑے تیراک تھے بہت ماہر غوطہ خور موجود تھے ان لوگوں کا اپنے بادشاہ کو بچانے کی کوشش نہ کرنا بعید از فہم ہے اس لئے ہرگز بعید نہیں بلکہ میرے نزدیک واقعۃً یہی ہوا کہ فرعون کے ڈوبنے کے بعد اس کے ساتھیوں نے غوطہ خوری کے ذریعے جو بھی انہوں نے کوشش کی اس کی لاش کو نکالا اور چونکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کرلیا تھا کہ میں تیرے بدن کو نجات بخش دوں گا اس لئے وہ بدن زندہ رہا اور ایک لمبے عرصے تک اس بدن کے ساتھ وہ چلتا پھرتا حکومت کرتا ہوا دکھائی دیا لیکن اس کی روح کو نجات نہیں بخشی گئی گویا زندگی میں ہی اس کی موت کا فیصلہ کردیا گیا تھا اور یہ ایک ایسا قطعی فیصلہ تھا جو باقی سب سے اس کو جدا کرتا ہے باقی لوگوں کے لئے آخر دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس سے زیادہ اور کوئی کیا عبرت کا نشان ہوسکتا ہے کہ ایک لمبی زندگی اور بادشاہت کی اور فخر کی زندگی اس کے سامنے پڑی ہو اور اس کو معین طور پر خبر دی گئی ہو کہ تم پر ہر قسم کی توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے اب تم ایک ظاہری زندگی بسر کرو گے لیکن اس میں کوئی روحانیت نہیں ہوگی۔ تو یہ ساری باتیں میرے ذہن میں تھیں اور ہیں اس کے باوجود میرا رجحان اسی طرف ہے کہ قرآن کریم نے جو وعدہ کیا تھا وہ بدنی زندگی کا وعدہ تھا محض فرعون کو عبرت کا نشان بنانے کا وعدہ نہیں تھا۔

اب ہم بقیہ آیات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایک دعا یہ بتائی گئی ہے کہ:۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۵﴾ (ابراہیم: ۴۵)

اور تو لوگوں کو اس دن سے ڈرا جس دن عذاب ان کو آلے گا فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ خدا سے یہ استدعا کریں گے کہ اے خدا ہمیں کچھ اور مہلت دے دے۔ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے اور تیرے

بھیجے ہوؤں کی پیروی کریں گے اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَالَـكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ کیا اس سے پہلے تم یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں کبھی کوئی زوال نہیں ہوگا۔ وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَـكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ وَضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ (ابراہیم:۴۶) اور تم ان لوگوں کے گھروں میں بسے رہے جنہوں نے تم سے پہلے اپنی جان پر ظلم کئے تھے وَتَبَيَّنَ لَـكُمۡ كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ اور تم پر خوب روشن ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تھا وَضَرَبۡنَا لَـكُمُ الۡاَمۡثَالَ اور ہم نے تمہارے سامنے کھول کھول کر مثالیں بیان کی تھیں وَقَدۡ مَكَرُوۡا مَكۡرَهُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰهِ مَكۡرُهُمۡ اور جو مکر وہ کر سکے انہوں نے وہ سارے مکر کئے اور اللہ کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ (ابراہیم:۴۷) خواہ ان کے مکر ایسے بھی تھے جس سے پہاڑ ٹل جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروں کو ناکام کر دیا۔ یہ جو دعا ہے یہ ویسی ہی دعا ہے جیسی کئی دعائیں اس سے پہلے بھی آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہیں کہ عین اس وقت جبکہ خدا کا فیصلہ آجائے اس وقت کی دعائیں قبول نہیں ہوا کرتیں اس سے پہلے فرعون کی دعا کی مثال بھی گزری ہے لیکن اس میں خدا تعالیٰ نے خود استثناء فرمایا ہے کہ جزوی طور پر میں تیری بات مانوں گا لیکن مکمل طور پر نہیں مانی جائے گی۔ اکثر دعائیں تو وہ بیان کی گئی ہیں جو قیامت کے دن جہنم کے سامنے پیش کرتے ہوئے یا جہنم کے اندر ظالموں کی التجائیں ہیں اور ان سب کے رد ہونے کا ذکر ہے۔ کچھ دعائیں وہ ہیں جو موت کا منہ دیکھ کر یا عذاب کا منہ دیکھ کر کی جاتی ہیں ان کے بھی اکثر رد ہونے کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی دعائیں صرف دو تین مضامین پر کیوں مشتمل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مومن کو تو ایسے دور میں ابتلاؤں کی ایک لمبی زندگی ملتی ہے جبکہ دعائیں قبول ہو سکتی ہیں وہ دعائیں کرتا ہے اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بے شمار نمونے ہیں جو اس کی زندگی کے مختلف حالات پر چسپاں ہوتے ہیں لیکن کافر کی دعائیں ہوتی اس وقت کی ہیں جبکہ آخری وقت آپہنچا ہو اس لئے صرف نجات کی چند دعائیں یا عذاب سے بچنے کی دعا کے سوا آپ کو کوئی دعا نظر نہیں آئے گی۔ ان کو دعا کا شعور نہیں ہوتا اس لئے دعا کے بہت تھوڑے نمونے ہیں جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھے ہیں لیکن ان پر بھی جب غور کریں تو ان سے ہمیں بہت سی نصیحتیں ملتی ہیں۔

یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ ذکر فرمایا کہ جب وہ عذاب کا منہ دیکھیں گے تو بچنے کے لئے دعا کریں گے لیکن جو جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کا بظاہر اس دعا سے تعلق نہیں ہے فرمایا: اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا۔ وہ تو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں بچالے۔ ہم توبہ کریں گے، ہم سے عذاب ٹال دے تا کہ ہم دوبارہ موقع پائیں کہ تیرے رسولوں کی پیروی کریں اور تجھ پر ایمان لائیں لیکن جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ کیا اس سے پہلے تم ہی لوگ یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ ہمیں کوئی زوال نہیں آئے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں ان کافروں کا ذکر ہے جو زمین میں تکبر کرتے ہوئے خدا کی جگہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا کے بھیجے ہوؤں کو ایسے چیلنج کرتے ہیں کہ جن کے نتیجے میں گویا خدائی کے اختیارات ان کو مل چکے ہیں اور کھلے کھلے چیلنج کرتے ہیں کہ جو کچھ کرنا ہے کرلو، جو عذاب لا سکتے ہو لے آؤ ہم پر کبھی کوئی زوال نہیں آئے گا۔ ہمیں ہمیشگی کی بادشاہت عطا ہوئی ہے، ہماری طاقت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ ساری کہانی ہے جو اس قسم کے اندر بیان فرمادی گئی۔ تم یہ کہا کرتے تھے اور قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں آئے گا، کن معنوں میں زوال نہیں آئے گا۔ جب وہ انبیاء سے ٹکر لیتے تھے تو ان کو وہ کہا کرتے تھے کہ جو کرنا ہے کر گزرو۔ جو دعائیں کرنی ہیں کرو کوئی دنیا میں ایسی طاقت نہیں۔ کوئی آسمان پر ایسی طاقت نہیں جو ہماری ترقیوں کو تنزل میں بدل دے۔ فرمایا! کہ جن کے تکبر کا یہ حال ہے وہ جب عذاب کو سامنے دیکھتے ہیں اور اس زوال کو دیکھتے ہیں جس کے متعلق وہ انکار کیا کرتے تھے تو اس وقت ان کی دعا کے قبول ہونے کا کوئی وقت نہیں رہتا وَّسَكَنۡتُمۡ فِىۡ مَسٰكِنِ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ یہاں ہر جگہ جہاں کا فریا ظالم کی دعا بیان ہوئی ہے اس کے رد ہونے کے دلائل بھی بیان فرما دیئے گئے ہیں فرمایا: تم تو ایسے لوگ ہو جو تم نے کبھی نصیحت پکڑی ہی نہیں۔ اب عذاب کو دیکھ کر کیسے نصیحت حاصل کرو گے۔ کیا اس سے پہلے تم جیسے لوگوں پر عذاب نہیں آئے تھے؟ کیا انہی کے گھروں میں تم بسے نہیں رہے؟ کیا تم نے تاریخ سے یہ سبق نہیں سیکھے کہ تم جیسے کام کرنے والے تم سے پہلے ہلاک کر دئے گئے۔ پس اگر عذاب سے تم نے نصیحت پکڑنی ہے تو پہلوں کے عذاب سے کیوں نصیحت نہ پکڑی وہ بھی تو تم جیسے ہی تھے تمہارے جیسے کاموں کے نتیجے میں

وہ اپنے بدانجام کو پہنچے۔ پس تمہارے سامنے ان کا ماضی ہے اور اب تم اس ماضی کو بُھلا کر نظر انداز کرنے کے بعد جب اس کو مستقبل کے طور پر اپنے سامنے دیکھ رہے ہو تو ہمیں کہتے ہیں کہ ہمیں واپس کردو۔ ہم نصیحت پکڑیں گے۔ یہ فطرت کے خلاف بات ہے جسے نصیحت پکڑنی ہو وہ دوسرے کے بدحال کو دیکھ کر اپنے لئے نصیحت کا رستہ اختیار کرتا ہے اور نیکی کا رستہ اختیار کرتا ہے۔ جب اپنے اوپر آپڑے تو پھر بچنے کا کوئی سوال نہیں رہا کرتا۔ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور پھر وہ بھی تمہاری طرح بہت مکر کرنے والے تھے اور خدا کے پاس ان کا مکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے کہ ان کو جس طرح چاہے ذلیل اور رسوا کر کے نامراد کردے عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ان کے مکر خدا کی مٹھی میں ہیں ان کے مکر خدا والوں کو کیا کہہ سکتے ہیں دوسرا یہ کہ مکر خدا کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اگر ایسے ایسے مکر بھی ان کے پاس ہوتے جن سے پہاڑ ٹل جاتے تب بھی خدا کے قبضہ قدرت میں تھے۔ خدا کی اجازت کے بغیر وہ سارے مکر بے اثر رہتے اور بے اثر رہے تو جو دعا آخر پر نامنظور کی جاتی ہے اس کا فیصلہ بھی خدا تعالیٰ ساتھ ساتھ بیان فرماتا چلا جارہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: ۲۹) اس ذکر کے بعد کہ کس طرح ہم نے انسان کو ایک گلی سڑی مٹی سے پیدا کیا اور پھر فرشتوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا فرماتا ہے۔ سب نے اطاعت کی سوائے ابلیس کے جب خدا نے پوچھا کہ کیوں تو نے اطاعت نہیں کی تو اس نے کہا کے قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (الحجر: ۳۴) کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو ایک ایسی ذلیل چیز کی اطاعت کریں جسے تو نے گندی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ایسی گھٹیا اور رسوا چیز کی اطاعت کرنے والوں میں میں نہیں ہوں۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الحجر: ۳۵) فرمایا کہ تو اپنی موجودہ کیفیت سے باہر نکل جا یعنی ہم تجھے ایسی حالت میں نہیں رہنے دیں گے جس حالت میں ہم نے تجھے بنایا تھا۔ تجھے ذلیل و رسوا کریں گے۔ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (الحجر: ۳۶) اور قیامت کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے یہ سننے کے بعد تب شیطان نے دعا کی لیکن یہاں لفظ شیطان نہیں ہے بلکہ ابلیس ہے يٰٓاِبْلِيْسُ

مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (الحجر:۳۳) یہاں لفظ ابلیس خاص طور پر قابل توجہ ہے۔میں آگے جا کر بیان کروں گا کہ کیوں یہ یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے۔قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الحجر:۳۷) اے خدا مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے کہ لوگوں کو تو دوبارہ نئی زندگی عطا کرے گا۔قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (الحجر:۳۸) فرمایا: ہاں ہم تجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دیتے ہیں اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر:۳۹)اس معین وقت تک کے لئے جس کا ذکر گزر چکا ہے قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر:۴۰) اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ قرار دے دیا ہے میں ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے وہ بہت ہی حسین اور خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا۔وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور میں تیرے سب کے سب بندوں کو گمراہ کروں گا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (الحجر ۴۱) وہاں شیطان نے خود یہ استثناء کیا کہ سوائے ان بندوں کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔یہاں مخلص کا لفظ نہیں بلکہ مخلَص کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ جن کو تو خالص کر دے۔پس شیطان نے جو بات کی ہے وہ بھی حکمت کی بات ہے اور شیطان کی طرف بھی قرآن کریم نے جو باتیں منسوب کی ہیں ان میں سے بعض عقل اور سمجھ کی باتیں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شیطان دنیا میں صاحب عقل بھی ہوتے ہیں مگر انکار کی صورتیں میں ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں۔جس طرح ابوجہل پہلے ابوالحکم کہلاتا تھا۔حکمت کا باپ، وہ جہالت کا باپ بن گیا اور یہاں **ابلیس سے مراد میں سمجھتا ہوں ہر دور کا ابلیس ہے اور مہلت دینے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو بھیجتا ہے تا کہ اس کے خالص بندوں کا اور ظاہری بندوں سے سچے اور مخلص بندوں کو الگ کر کے دکھایا جائے تو ان کو نبی کے ذریعے مخلص بنایا جاتا ہے۔**وہ لوگ جو نبی کی اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی طرف سے خالص بنائے جاتے ہیں اپنے طور پر کوئی خالص نہیں بن سکتا۔تو یہ نبوت کا مضمون ہے جس کو شیطان نے یہاں بیان کیا ہے وہ کہتا ہے۔ہاں وہ لوگ جن کو نبوت کے ذریعے تیری طرف سے خلوص عطا ہوگا اور وہ نبوت کی پیروی کے ذریعے مخلص بنائے جائیں گے وہ یقیناً میری پیروی نہیں کریں گے۔قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (الحجر:۴۲) خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ وہ سیدھا رستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔یعنی شیطان بھی وہیں بیٹھا ہوا بہکا رہا ہے اور خدا

کے انبیاء بھی اسی رستے پر نیک نمونے دکھا رہے ہیں اور جن کو خدا کے ان نیک بندوں پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے وہ مخلص بنادیئے جاتے ہیں اور ان پر شیطان کا کوئی دخل نہیں رہتا فرمایا:

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (الحجر:۴۳)

میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط نہیں سوائے ان کے جو پہلے سے گمراہ ہوں اور ٹیڑھی طبیعت رکھتے ہوں۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر: ۴۴) اور جہنم تم سب کے لئے وعدہ ہے اَجْمَعِيْنَ سب کے سب اس جہنم میں داخل ہوں گے۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (الحجر:۴۵) اور ان کے ہر دروازے کے لئے ایک حصہ مقرر ہو چکا ہے ایک ایسا جز ہے جو پہلے سے تقسیم شدہ ہے وہ ان دروازوں کے ذریعے داخل ہوگا۔

ان سادہ سی آیات میں بہت سی حکمت کی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ شیطان نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا میں سب کو گمراہ کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو تو گمراہ کرے گا ان پر بھی تیرا تسلط اس وجہ سے ہوگا کہ ان کے اندر کجی موجود ہوگی ورنہ تیرا کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ یہ ایک بہت گہرے فلسفے کی اور حکمت کی بات ہے جسے مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان کا کسی پر بھی کوئی تسلط نہیں ہے جن کو خدا مخلص کر دے ان پر تو اس کے تسلط کا سوال ہی نہیں، دوسرے جو بندے ہیں ان میں سے وہ جو ٹیڑھے ہوں وہی شیطان کو دعوت دیتے ہیں جن کے نفس میں کجی نہ ہو ان پر شیطان کو غلبہ نہیں مل سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ میرے بندوں پر تو تیرے غلبے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ سوائے اس کے کہ کوئی ٹیڑھے لوگ خود تیری پیروی کریں۔

پس گناہ کا فلسفہ ہے جو بہت کھول کر بیان فرما دیا گیا۔ اگر اب اپنی غلطیوں پر کوئی انسان گہری نظر سے نگاہ ڈالے اور اپنے ماضی کے حالات کا مطالعہ کرلے تو اس پر یہ خوب کھل جائے گا کہ اندر کی کجی ہے جو باہر سے گناہ کو بلاتی ہے جب تک وہ کجی انسانی فطرت میں پیدا نہ ہو انسان گناہ کی طرف نہ راغب ہوسکتا ہے نہ گناہ اسے مغلوب کرسکتا ہے اس لئے پہلے اندر ایک فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہی فیصلہ ہے جو آگے پھر گناہ کے رستوں کی پیروی کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ پس کیسا خوبصورت

اور واضح انسانی فطرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔پس اندر کی جو کجی ہے اس کا نام شیطان ہے اور باہر سے بلانے والے جو ہیں وہ ابلیس ہیں اور آنحضرت ﷺ کے دور میں بھی ابوجہل ایک ابلیس تھا اور اسی طرح ہر دور میں بہت سے ابلیس پیدا ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی ہو وہ بدیوں کی طرف بلاتے ہیں اور ہر انسان کے اندر ایک شیطان ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کی رگوں میں شیطان دوڑ رہا ہے اور ہر شخص کا اپنا شیطان ہے۔جب پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ! آپ کا بھی شیطان ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے (حوالہ۔۔) یعنی میرے اندر کوئی کجی رہی نہیں۔یہ فطرت کا بہت گہرا راز ہے ہر انسان کی رگوں میں کچھ نہ کچھ کجی موجود ہوتی ہے جو اسے باہر کی بدآواز کے سامنے جھکانے پر آمادہ کر دیتی ہے اور اصل خطرناک شیطان اندر کا شیطان ہے اور وہ شیطان اگر مسلمان ہو جائے تو پھر دنیا میں کسی کو اس شخص کے اوپر غلبہ نہیں نصیب ہو سکتا یعنی خدا کے سوا کسی کو اس شخص پر غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا۔

اس گہری انسانی فطرت کے راز کو سمجھنے کے بعد ایک انسان شیطانی اثرات سے یا ابلیسی اثرات سے بہتر رنگ میں بچ سکتا ہے اور پھر مزید اس بات کو واضح فرما دیا کہ یہاں فطرت انسانی کی بات ہو رہی ہے فرمایا: جہنم جس میں یہ لوگ داخل کئے جائیں گے لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں جنت کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں۔اس ضمن میں ربوہ میں آغاز کے سالوں میں میں نے ایک مرتبہ ایک خطبہ دیا تھا جس میں سمجھایا تھا کہ ان دروازوں سے کیا مراد ہے پانچ تو حواس خمسہ ہیں کان کا دروازہ آنکھ کا دروازہ، قوت شامہ کا دروازہ، مزے کا دروازہ، لمس کا دروازہ، وغیرہ وغیرہ یہ پانچ سوراخ ایسے ہیں جن کے ذریعے انسان بیرونی دنیا سے رابطہ کرتا ہے۔اگر ان دروازوں پر پہرے نہ بٹھائے گئے ہوں تو جہاں بھی کمزوری ہوگی وہاں سے کوئی اچکا داخل ہو سکتا ہے، کوئی چور آ سکتا ہے پس جو لوگ ان دروازوں کی حفاظت کریں وہ خدا کے فضل کے ساتھ امن میں رہتے ہیں لیکن دو دروازے اندر بھی ہیں ان میں سے ایک دماغ کا دروازہ ہے اور ایک دل کا دروازہ ہے اور یہ دونوں دروازے ایسے ہیں جو تمام پانچوں اثرات کو قبول کرتے یا رد کرتے ہیں اور ان اثرات کے نتیجہ میں ان کی اپنی ایک شخصیت پیدا ہوتی ہے، ایک شخصیت ذہنی قابلیتوں کی شخصیت ہے ایک شخصیت جذباتی قابلیتوں کی شخصیت ہے

اور یہ دونوں چیزیں بیرونی اثرات سے رفتہ رفتہ بنتی ہیں اور اندرونی قابلیتوں کے اوپر جب بیرونی اثرات اپنی روشنی ڈالتے ہیں تو ان کے نتیجہ میں اندر سے ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح جب بیرونی اندھیرے اندر کے اندھیروں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں تو اندر سے ایک اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ پس ذہنی تاریکیاں ہوں یا قلبی تاریکیاں ہوں، ذہنی روشنیاں ہوں یا قلبی روشنیاں ہوں یہ دو دروازے ہر انسان کے اندر کھلے رہتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے جب فرمایا کہ سات دروازوں سے تم لوگ جہنم میں داخل کئے جاؤ گے تو مراد یہ ہے کہ اندر کے شیطان انسانی نفس کے ساتھ لگے ہوئے جو شیطان ہیں یہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے زبان، آنکھ، ناک وغیرہ یہ جتنے بھی حواس خمسہ کے دروازے ہیں ان پر اگر انسان قابو پالے اور ان کو خدا کے سپرد کر دے تو پھر اندر کے دو دروازے بھی واقعۃً خدا کے سپرد ہو جاتے ہیں یعنی ذہن کا دروازہ اور دل کا دروازہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ وہ ہیں جو مخلصین ہیں۔ جن کو اللہ کے لئے خالص کر دیا گیا ہے ان پر کسی ابلیس کو کوئی تسلط نہیں ہوسکتا۔ یہ مضمون سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اور خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ یہ **صراط مستقیم** ہے جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور روز پانچ وقت پانچ نمازوں میں ہر رکعت میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں **صراط مستقیم** پر چلا۔ کیسی **صراط مستقیم** ہے جہاں نیک بھی چلتے ہیں، بد بھی چلتے ہیں، ٹھوکریں کھانے والے لوگ بھی ہیں، بچ کر نکل جانے والے لوگ بھی ہیں۔ اکثر وہ ہیں جو رستہ کھودیں گے۔ کم وہ ہیں جو خوش نصیب ہیں اور جو آخر منزل تک پہنچیں گے ان سب کے مضامین قرآن کریم نے تفصیل سے کھول کر ہمارے سامنے رکھے۔ تمام دعائیں ہمیں سکھائیں اور ان بدعاؤں سے ہمیں متنبہ کیا جو الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ کی دعائیں ہیں لیکن وہ بھی صراط مستقیم پر ہی آپ کو ملتی ہیں لیکن وہ صراط جو سیدھی خدا تک پہنچا دیتی ہے وہ عباد اللہ المخلصین کی راہ ہے اور ان ہی کی دعائیں کرتے ہوئے ہمیں ان رستوں پر آگے بڑھنا چاہئے اور جو جو ٹھوکریں خدا تعالیٰ نے ہم پر کھول دی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ اپنی کوشش سے کوئی انسان نیک نہیں ہوسکتا جب تک دعا کے ذریعے اسے توفیق نہ ملے اور دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ دل سے ایک خالص آواز اس دعا کی قبولیت کے لئے اٹھے عام دعاؤں کے لئے تو دل سے خالص

آوازیں آسانی سے اٹھ جاتی ہیں مگر نیکی کی دعا کے لئے دل کی خالص آواز کو بلند کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ بات میں آپ کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر یہ دعا کریں کہ ہمارا بچہ ٹھیک ہو جائے تو دل سے نکلے گی۔ یہ دعا کریں کہ اے خدا ہمیں اس بلا سے نجات بخش دے، ہمیں اس طوفان سے بچالے تو دل سے اٹھی گی۔ چنانچہ قرآن کریم نے جیسا کہ میں نے پہلی دعاؤں میں ذکر کیا تھا۔ ان دعاؤں کی قبولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں پتا تھا کہ بعد میں یہ لوگ مکر جائیں گے لیکن اس وقت دل سے دعا کر رہے تھے۔ ایک مضطر کی دعا تھی اور ہم نے اس کو قبول کرلیا لیکن نیکی کی دعا مانگنا سب سے مشکل دعا ہے کیونکہ وہ بہاؤ کے خلاف دعا ہے۔ انسانی فطرت گناہوں کی پیروی کرتی ہے اس کی طرف دھکیل کر لے جانا چاہتی ہے۔ طبیعت کا طبعی بہاؤ مزے کی طرف ہے، لذتوں کی طرف ہے، آرام طلبی کی طرف ہے۔ بہاؤ کے خلاف دعا کرنا سب سے مشکل دعا ہے۔ واقعۃً نیکی کی دعا مانگتے ہوئے ہر انسان اگر اپنے نفس کو کرید کر دیکھے اور یہ غور کرے کہ واقعۃً وہ خدا سے ان سب چیزوں سے بچنے کی دعا مانگ رہا ہے تب اس کو پتہ چلے گا کہ وہ دعا کچھ نیم جان سی دعا تھی۔ انسان کہتا ہے کہ مجھے نیکی عطا کر لیکن ساتھ ڈرتا بھی ہے اور پوری طرح نیت بھی نہیں رکھتا۔ ایک شخص مثلاً رزق حلال کی دعا مانگتا ہے۔ اب اس کے لئے روزانہ رزق حرام کئی طرح سے بہت خوبصورت بن کر ظاہر ہوتا ہے اگر ان سب امکانات کو پیش نظر رکھے اور پھر یہ دعا کرے کہ اے خدا مجھے رزق حلال عطا کر تب اس کو سمجھ آئے گی کہ مخلص دعا ہوتی کیا ہے۔ وہ دعا مخلص نہیں ہوگی جب تک کہ وہ پہلے رزق حرام کے سارے دروازے اپنے اوپر بند نہیں کر لیتا اور خدا سے یہ کہہ نہیں دیتا کہ میں نے بند کر دیئے ہیں اب میں التجا کرتا ہوں کہ وقت کے اوپر آکر ٹھوکر نہ کھا جاؤں۔ اس وقت تک یہ دعا مخلص نہیں ہوسکتی تو مخلص دعا یعنی نیکیوں کے معاملے میں مخلص دعا سب سے مشکل دعا ہے۔ اپنے بچوں لئے آپ کر سکتے ہیں۔ اپنے مرے ہوئے بزرگوں کے لئے کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی خاطر آپ کو اپنے اندر تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے آسانی سے کر سکتے ہیں۔ مائیں بچوں کو جتنی مرضی دعائیں دے لیں اے خدا! ان کو نیک بنا۔ سب ٹھیک ہے لیکن اپنے لئے نیکی مانگیں، اپنی کجیاں درست کرنے کی دعا ئیں مانگیں، اپنے جھوٹ سے بچنے کے لئے دعا مانگیں، اپنی نمازیں پڑھنے کی توفیق کی دعائیں مانگیں اور بہت سی ایسی دعائیں مانگیں تب ان کو سمجھ آئے گی کہ بچوں کیلئے تو پوپلے منہ سے آسانی سے دعائیں

کرلیں ۔مرے ہوئے بزرگوں کے لئے بھی کرلیں لیکن وہ دعائیں بھی تب زیادہ مقبول ہوں گی اگر اپنے لئے بھی اسی جان کے ساتھ دعائیں کی جائیں ۔اس لئے اپنے لئے دعائیں یہ بھی فیصلہ کردیتی ہیں کہ مستقبل کے لئے مقبول ہوں گی یا نہیں اور ماضی کے لئے مقبول ہوں گی کہ نہیں ۔

انبیاء کی نیکیوں کی دعائیں کیوں ان کی اولاد کے حق میں مانی جاتی ہیں ۔عام انسان کے لئے کیوں نہیں مانی جاتیں ۔یہ بھی تو ایک مسئلہ ہے ۔پس مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡهِمۡ کی دعاؤں پر جب آپ غور کرتے ہیں تو بہت سی نیک لوگوں کی دعاؤں کی حکمتیں بھی سمجھ آنے لگ جاتی ہیں ۔اسی لئے یہ مضمون ضروری ہے اور اسی لئے میں آپ کے سامنے اسے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں ۔جو مغضوب لوگوں کی دعائیں ہیں یا کج لوگوں کی دعائیں ہیں وہ جب نیکی کی دعائیں بھی کرتے ہیں تو ان کے اندر ایک کجی ہوجاتی ہے اور اس کجی کی وجہ سے وہ دعائیں رد ہوجاتی ہیں اور غیروں کے لئے خواہ کجی نہ بھی ہو چونکہ اپنے لئے کجی ہوتی ہے اس لئے دوسروں کی دعاؤں میں بھی کمزوری واقع ہوجاتی ہے۔

قیامت کے دن ایک سوال ہے پوری دعا نہیں بنتی اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو اندھا بنا کر اٹھائے گا یعنی دوسری دنیا میں نور سے عاری کردے گا۔بصیرت سے عاری فرمادے گا تو وہ یہ کہے گا۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِیۡۤ اَعۡمٰی وَ قَدۡ کُنۡتُ بَصِیۡرًا (طٰہٰ:۱۲۶) کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھادیا۔میں تو دعا میں دیکھا کرتا تھا۔قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتۡکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیۡتَہَا (طٰہٰ:۱۲۷) اللہ فرمائے گا کہ اسی لئے یعنی دلیل یہ ہے کہ تیرے پاس میرے نشانات آیا کرتے تھے یا آتے رہے اور تو نے انہیں نظر انداز کردیا فَنَسِیۡتَہَا کا معنی یہاں ''بھلا دیتا'' ان معنوں میں نہیں کہ ایک چیز یاد تھی اور بھلا دی گئی نسیت کا معنی ہے:انہیں اس طرح نظر انداز کردیا کہ گویا وہ بھول چکے تھے ۔ان کو فراموش کردیا ۔ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔وَکَذٰلِکَ الۡیَوۡمَ تُنۡسٰی اور آج تجھے اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔دیکھتے ہوئے نہ دیکھنے کا مضمون ہے جو بیان ہوا ہے فَنَسِیۡتَہَا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تو نے کوئی یاد چیز کو بھلا دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ تیرے سامنے تھی اور تو نے دیکھا ہی نہیں ۔نظر انداز کردیا تو جو چیز اپنی مرضی سے تو نے نہیں دیکھی آج تجھے نظر ہی نہیں آئے گی اور آج تو بھی اسی طرح خدا کے سامنے بھلا دیا جائے گا اور تیری ضرورتوں کی پروا نہیں کی جائے گی۔یہ بہت ہی دردناک سزا ہے اور یہ سزا ہم دنیا میں اپنے لئے بناتے چلے جاتے ہیں۔جب خدا کی طرف سے کوئی

بات ظاہر ہو جائے اسے دیکھنے کے باوجود آنکھیں بند کر لی جائیں تو اس پر یہ مضمون صادق آتا ہے۔

میں نے تبلیغ کے دوران بہت سے مولویوں سے باتیں کی ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب ان کے سامنے کھلی کھلی بات رکھی گئی تو ان کے چہروں پر آپ خوف کے آثار دیکھ سکتے تھے آپ جانتے تھے کہ ان کو نظر آ گیا ہے لیکن بڑی پریشانی کے ساتھ انہوں نے اس رخ کو موڑا ہے اور کوشش کر کے مضمون کو بدلتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے اور روزمرہ کی زندگی میں بعض دفعہ انسان مومن ہوتے ہوئے بھی ایسی غلطیاں کر جاتا ہے۔ اس لئے اس سوال کا جواب خدا نے ہمیشہ کے لئے دے دیا کہ تم آئندہ کی زندگی کے لئے اپنی بصارت اور بصیرت خود بناؤ گے یا خود بگاڑو گے۔ اگر اس دنیا میں تم اندھے بن کر رہو گے تو قیامت کے دن بھی اندھے ہی اٹھائے جاؤ گے اور اگر اس دنیا میں روشنی پاؤ گے تو پھر قیامت کے دن بھی روشنی عطا ہوگی۔

اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ حواس خمسہ سے ہے تمام حواس کا تعلق خدا تعالیٰ کی بعض فرماں برداریوں اور بعض نشانات سے ہے اور جہاں جہاں انسان ان کو بھلاتا ہے وہاں اگر کلیۃً ان پر فالج نہیں گرا دیتا تو کم سے کم ان حصوں کو بیمار کر دیتا ہے اور قیامت کے دن ان حصوں سے اس نے جنت کی لذتیں پانی ہیں یا اس جنت سے محرومی کے نتیجے میں عذاب دیکھنا ہے اس لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس دنیا میں ہم اپنے حواس خمسہ کو اس طرح استعمال کریں کہ ان سے ملتے جلتے، ان سے تعلق رکھنے والے حواس خمسہ آئندہ کی دنیا میں پیدا ہوتے رہیں۔ چنانچہ جب میں نے کہا کہ اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ دوسرے حواس سے بھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اس کے بعد فرماتا ہے کہ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِيۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ (طٰہٰ :۱۲۸) ہم اس قسم کا سلوک ہر اس شخص سے کرتے ہیں جو اسراف سے کام لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نشانات پر ایمان نہیں لاتا اور ان کا انکار کرتا ہے۔ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى اس ضمن میں جو بعد میں آنے والا عذاب ہے وہ زیادہ سخت ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ یہ دعا سورہ طہ ۱۲۵ تا ۱۲۸ سے ہے سورۃ مومنون کی ۱۰۰ تا ۱۰۲ آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ (المومنون:۱۰۰) یہاں تک کہ جب ان

میں سے کسی ایک کو موت آجائے تو وہ کہے گا کہ اے خدا! مجھے لوٹا دے۔

لَعَلِّیٓ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا (المومنون:۱۰۱) تا کہ میں جو جگہ چھوڑ کر آیا ہوں اس جگہ واپس جا کر نیک اعمال بجالاؤں یعنی اپنی زندگی کو نئے اعمال سے زینت دوں۔ کَلَّا خبردار ایسا نہیں ہوگا۔ اِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا یہ تو محض منہ کی بات ہے جو یہ شخص کہہ رہا ہے۔ وَمِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ اور ایک پردہ ایسے لوگوں کے پیچھے ہے جو قیامت کے دن تک ان کے درمیان اور حقیقت کے درمیان لٹکا رہے گا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوۡنَ (المومنون:۱۰۲) جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی قرابتیں باقی نہیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔

ایک بات تو بارہا پہلے گزر چکی ہے کہ جب پکڑ کا وقت آجائے جب موت آجائے تو اس وقت بچنے کی کوئی دعا کارآمد نہیں ہوتی۔ ان مضامین کو جب دہرایا جاتا ہے تو بے وجہ نہیں دہرایا جاتا بلکہ ان کے ساتھ مزید کچھ اور مضامین بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں درحقیقت ایک بھی Repitation نہیں ہے۔ آپ کو بہت سی جگہ بعض مضامین دہرائے ہوئے دکھائی دیں گے اور انسان سمجھتا ہے کہ وہی مضمون دوبارہ ہے اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بعض مضامین بار بار نظر کے سامنے آئیں تو انسانی فطرت پر زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے لیکن اور فائدہ یہ ہے کہ ان دہرائے ہوئے مضامین کو مختلف شکلوں میں پیش کیا جاتا ہے اور قرآن کریم میں ایک بھی ایسی دہرائی نہیں جس کا پس منظر یا بعد میں آنے والی آیات اس مضمون پر کوئی نئی روشنی نہ ڈالتی ہوں اس لئے کہیں بھی محض تکرار نہیں ہے بلکہ ہر تکرار کے ساتھ کچھ حکمتیں ایسی پوشیدہ ہیں جو پہلے موقعہ پر بیان نہیں ہوئی تھیں یا ان کے بعض پہلو بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی بات ہے۔ لَعَلِّیٓ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا کہہ کر بظاہر وہی باتیں پیش کی گئی ہے جو پہلے بھی کئی دفعہ پیش ہو چکی ہیں مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ اور ان کے درمیان ایک پردہ ہوگا جو قیامت کے دن تک لٹکا رہے گا۔ کن کے درمیان پردہ ہے؟ یہ بحث ہے۔

ایک مضمون تو یہ ہے کہ مستقبل میں جو کچھ ان کے لئے ظاہر ہونا ہے وہ پوری طرح ان کو دکھائی نہیں دے گا اور ایک پردہ ہوگا لیکن مزید غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کے درمیان اور ان کے درمیان ایک پردہ ہے جو کبھی بھی نہیں اٹھایا جائے گا اور ان کو اعمال صالحہ کی توفیق مل ہی نہیں سکتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اگر کوئی شخص بدی کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے تو جس حد تک اس کے بچنے کا امکان تھا وہ امکان اس کو مہیا کیا جا چکا ہے۔ اور جس شخص کو ابھی اور بھی آزمائش میں ڈالنا ہو اور ابھی اس کی صلاحیتیں پوری طرح استعمال نہ ہوئی ہوں اور یہ امکان ہو کہ ابھی کچھ اور امتحان باقی ہیں تو ایسے شخص کو اگر وہ بد ہے بدیوں میں لمبی زندگی ملتی ہے اور اگر وہ نیک ہے تو نیکی میں اور لمبی زندگی ملتی ہے لیکن کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ اپنی نیکی یا بدی کی کیفیتوں میں اس حد تک آزمایا نہ جا چکا ہو کہ جس کے بعد یقین سے یہ کہا جا سکتا ہو کہ اب اس کے بعد اگر اس کو لاکھ سال کی زندگی بھی ملے تو اس کے اندر تبدیلی پیدا نہیں ہوگی۔ یہی مضمون ہے جو اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں فرمایا ہے کہ زندگی کی حد تک ہم نے ان کو دیکھ لیا۔ یہ جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ موقعہ ملے گا تو ہم نیک اعمال کریں گے۔ یہ سب بکواس، جھوٹ ہے، منہ کی باتیں ہیں۔ قیامت تک یہ لوگ اب نیکی کی توفیق نہ پانے والے ہیں تب ہم نے ان کو ایسی حالت میں اٹھایا ہے اور پھر اس مضمون کو آگے بڑھا کر فرمایا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ان کے اور ان کے نیک ساتھیوں کے درمیان کوئی رشتہ بھی باقی نہیں رہے گا جس طرح ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان کوئی رشتہ نہیں اسی طرح ان کے وہ رشتے دار جو نیک تھے ان کے درمیان کوئی رشتہ اب دوبارہ قائم نہیں ہوگا بلکہ ان کے بدوں کے ساتھ رشتے رہیں گے اور جس طرح یہاں انسان اپنے نیک ساتھیوں کے بھی حال پوچھ لیا کرتا ہے اولاد ہو یا ماں باپ ہوں یا اور عزیز ہوں، اقرباء ہوں نیک اور بد اکٹھے رہتے ہیں لیکن یہاں مرنے کے بعد فرمایا کہ بدوں اور نیکوں کی دنیا الگ کر دی جائے گی اور وہ ایک دوسرے کے حال پوچھنے کی بھی توفیق نہیں پائیں گے سوائے اس کے قرآن کریم میں بعض جگہ نمونۃً خدا تعالیٰ سے استدعا کی گئی ہے کہ ہمیں ان لوگوں کا حال بتا اور خدا تعالیٰ ان کو توفیق دے گا کہ نمونۃً دوسرا حال دیکھ لیں۔ وہ ایک الگ مضمون ہے جو استثناء کے طور پر ہے اور اس آیت میں

عمومی مضمون ہے جو بیان ہوا ہے۔

اب میں اس مضمون کو سر دست یہاں چھوڑتا ہوں کیونکہ مختصراً ایک اور بات بھی آپ کے سامنے رکھنی ہے کہ ہمارا مالی سال ۳۰؍ جون کو اختتام کو پہنچا ہے۔ میں چونکہ دورے پر تھا اس لئے میں اس کے متعلق پہلے کوئی گفتگو نہیں کر سکا۔ واپس آنے کے بعد مجھے بعض اطلاعیں ملی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن ممالک سے بھی اطلاع ملی ہے ان میں یہ خوشخبری ہے کہ بجٹ سے توقع سے زیادہ آمد ہو چکی ہے۔ پاکستان میں بھی انتہائی مشکل حالات کے باوجود مسلسل یہ مضمون ہمیشہ دہرایا جاتا ہے کہ سال ختم ہونے سے پہلے ناظر صاحب بیت المال ڈرانے کے خط لکھتے ہیں اور ایسی اطلاعیں بھیجتے ہیں کہ گویا اس دفعہ تو ہم بالکل رہ جائیں گے اور معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کس طرح آمد پوری ہو گی لیکن میرا خیال ہے وہ دعا کی خاطر جان کے ڈراتے ہیں تا کہ دعاؤں کی طرف زیادہ توجہ پیدا ہو۔ اب میں سفر میں تھا تو مجھے ان کا خط ملا اور بہت سخت ڈرانے والا خط تھا کہ اس دفعہ تو حالت حد سے خراب ہو چکی ہے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ہم اپنا بجٹ اس دفعہ پورا کر سکیں گے لیکن واپس آیا ہوں تو چٹھی بالکل برعکس مضمون کی موجود ہے یعنی اللہ کے فضل سے دو ہفتے کے اندر اندر ایسی کایا پلٹی ہے کہ جتنی متوقع آمد تھی اس سے بھی کئی لاکھ اوپر آمد ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ باقی دنیا میں بھی یہی سلوک چلتا ہے جہاں کمزوری ہے وہاں انتظامیہ کی کمزوری ہے اور انتظامیہ کی کمزوریاں دو طرح سے ہیں ایک تو یہ کہ ان کو سارا سال بیدار مغزی سے احمدیوں تک پہنچنے، ان کو ان کے فرائض یاد دلانے کی توفیق نہیں ملتی۔ بعض سیکرٹریان مال سست ہو جاتے ہیں کئی کئی مہینے کے بعد، بعض دفعہ سال کے بعد بتاتے ہیں کہ تمہارا سب کچھ بقایا پڑا ہے اور ہر قسم کے انسان دنیا میں ہیں۔ اخلاص کے باوجود بعض طبعاً کمزور ہوتے ہیں۔ بعض طبعاً سست ہوتے ہیں ان تک اگر آپ وقت کے اوپر پہنچ جائیں تو جو کچھ ہے حاضر کر دیں گے لیکن جب وقت پر نہ پہنچیں تو دنیا کی دوسری ضروریات پہلے آجاتی ہیں پھر ان پر خرچ کر دیتے ہیں۔ آخر پر ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ جہاں بھی انتظامیہ مستعد ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت بھی وہاں اسی طرح مستعدی کے رد عمل دکھاتی ہے اور جہاں انتظامیہ دعا کرنے والی ہے وہاں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حیرت انگیز نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے مالی امور کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ تو اس لئے میں اعلان کرتا ہوں اور اب جہاں جہاں بھی خطبے کی یہ آواز

پہنچے گی کہ ایک مہینے کے اندر اندر اپنی مجالس عاملہ کی میٹنگز بلائیں اور اپنے سابقہ رویے کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ سارا سال کیا مستعدی کے ساتھ نادہندوں کی فکر کی گئی؟ کم شرح سے چندہ دینے والوں کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی یا نہ کی گئی؟

اس ضمن میں United States میں میں نے مجلس عاملہ کو جو خصوصیت سے ہدایت دی تھی اس کی ریکارڈنگ باقی دنیا میں بھی بھجوادی جائے گی اس پر بھی غور کر لیں اور اپنے مالی حالات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر ممالک رپورٹ بھجوانے میں سستی کر دیتے ہیں۔ مثلاً اب ایک مالی سال کا جو عرصہ ہے وہ تو گزر چکا لیکن ابھی تک بھاری اکثریت ایسے ممالک کی ہے جنہوں نے یہاں رپورٹ بھیجنے کا خیال بھی نہیں کیا حالانکہ ہر سال اس سال کی مکمل رپورٹ آنی چاہئے۔ پس ایک مہینے کے اندر اندر اب جماعتیں اپنی مکمل رپورٹ بھی بھجوائیں اور اس رپورٹ کے ساتھ معین اطلاع کریں کہ اس وقت تک ان کے پاس کتنا حصہ مرکز زائد پڑا ہوا ہے اور اس حصہ مرکز کے متعلق ہدایت طلب کریں کہ اس کو کیا کرنا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب کہ حصہ مرکز زائد کے طور پر اکثر باہر پڑا رہ جاتا تھا کیونکہ مرکز براہ راست بہت سے جماعتی کاموں میں اس طرح ملوث نہیں تھا کہ ساری دنیا میں مرکز کی طرف سے تفصیل سے خرچ ہو رہا ہو بلکہ جو جماعتیں تھیں وہی خرچ کرتی تھیں اور وہی مرکزی خرچ کے مترادف سمجھا جاتا تھا اب بہت سے ایسے غیر معمولی انقلابی کام ہو رہے ہیں جن کے نتیجے میں مرکز کا خرچ بہت بڑھ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک اس خرچ میں کمی نہیں آئی لیکن بعض دفعہ یہ الجھن ضرور پیدا ہوتی ہے کہ فلاں ملک میں پتا نہیں ہمارے کتنے پیسے پڑے ہوئے ہیں، فلاں ملک میں کتنے پڑے ہوئے ہیں بعض دفعہ چھ چھ مہینے تک اطلاع نہیں ملتی اور یہاں جو ہمارے اس وقت ایڈیشنل وکیل المال شریف احمد صاحب اشرف ہیں ان کے سپرد میں نے کیا ہے ان کو بے وجہ ضرورت سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ میں تمام دنیا کی جماعتوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ آج سے ایک مہینہ ختم ہونے سے پہلے مجلس عاملہ میں بھی اس صورتحال پر غور کریں اور مجھے براہ راست وہاں سے رپورٹ بھجوائیں۔ ایڈیشنل وکیل المال کو نہ بھجوائیں کیونکہ مجھے بھجوائیں گے تو مجھے پتا لگ جائے گا کہ کس نے بھیجی ہے اور کس نے نہیں بھیجی اور ان کے ذہن میں بھی یہ دباؤ رہے گا کہ میرے سامنے بات آنی ہے

اس لئے ممکن ہے تھوڑا سا مزید ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتو میں امید رکھتا ہوں کہ جلد یہ رپورٹیں آجائیں گی۔ جہاں تک مرکزی اخراجات کا تعلق ہے مجھے اللہ کے فضل سے اس بارہ میں کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اب تک جتنی بھی نئی سکیمیں بنی ہیں، جتنے بھی نئے اخراجات سامنے آئے ہیں خدا تعالیٰ از خود پورا کرتا چلا جارہا ہے اور مجھے امید ہے کہ ہمیشہ یہی اس کا سلوک جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ ہماری نیتیں پاک ہونی چاہئیں۔ مخلص ہونی چاہئیں۔ ہماری کوششیں مخلص ہونی چاہئیں اور پاک ہونی چاہئیں باقی سب برکتیں اللہ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے اور وہی عطا فرماتا رہے گا۔

اس کے بعد میں باقی مضمون انشاء اللہ آئندہ ہفتے پیش کروں گا۔ ہاں ایک چھوٹا سا اعلان یہ کرنا تھا کہ اس جمعہ میں دو نئے ممالک کا اضافہ ہوا ہے جو براہ راست مواصلاتی ذرائع سے یہ خطبہ سن رہے ہیں۔ ایک تنزانیہ ہے اور ایک نیوزی لینڈ۔ تو یہ سلسلہ خدا کے فضل سے پھیلتا چلا جارہا ہے۔ اللہ کرے آئندہ ایسے انتظام بھی ہوں کہ آڈیو ویڈیو دونوں طرح سے جماعت بیک وقت ساری دنیا میں خطبے اور بعض اہم تقاریر سے مستفید ہوسکے۔ آمین